RAHAT-UL-QULOOB

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.rahatulquloob.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

عالمی امن اور معاہدات کی نوعیت وجہات کا فکری جائزہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

The Nature and Dimensions of World Peace and State Contracts in Islamic Perspective

AUTHOR

1. *Dr. Munazzah Hayat, Associate Professor, Islamic Studies, BZU, Multan*
   Email: muazzahayat@bzu.edu.pk
   orcid id: : https://orcid.org/0000-0001-9128-2071

How to Cite: Dr. Munazza Hayat. 2021. “URDU: عالمی امن اور معاہدات کی نوعیت و جہات کا فکری جائزہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں: The Nature and Dimensions of World Peace and State Contracts in Islamic Perspective” . *Rahatulquloob* 5 (2), 1-18. https://doi.org/10.51411/rahat.5.2.2021/375.

URL: http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/375

Vol. 5, No.2 || July–Dec 2021 || URDU-Page. 01-18

Published online: 04-07-2021

QR. Code

عالمی امن اور معاہدات کی نوعیت وجہات کا فکری جائزہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

The Nature and Dimensions of World Peace and State Contracts in Islamic Perspective

منزہ حیات[1]

ABSTRACT:

Allah Almighty has given freedom to every human being so everyone is free. When freedom of an individual strikes another person's freedom, this collision causes atrocity in the society. To protect the person and a nation, from this tragedy, the law comes into force to keep peace. This law is called contract. Islam has stressed upon the agreement both essentially in terms of moral and legal to be followed. So, if we want relations between Muslims and Non-Muslims this principle be followed. Keeping the contract is imperative on both sides (Muslims & Non –Muslims). The Holy Prophet did not allow anyone to create such an impression from their individual behavior that the enemy feels that they did not act upon the contract. Apart from this, if the Islamic State does not have any danger from the other side, the Islamic state will prefer peace. In our modern times religious violence has become one of the reasons of exploitation in different parts of the world. On the occasion of the establishment of a new nation, Prophet (SAW) showed that the bondage of these boundaries is as important as the acceptance of the religion. For peace, other religious groups must enjoy religious freedom. On this basis, Islam established a welfare society. Today, it is imperative that these boundaries should be followed.

Key Words: Islamic Teaching, Contracts, Global Peace, Atrocity, Welfare.

اسلام میں اہم قانون جس سے بین الاقوامی تصورات کو نظری اور عملی طور پر پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے اور دوستانہ فضا پروان چڑھتی ہے ،وہ معاہدات کی پابندی ہے۔ اسلام نے معاہدات کی پابندی کو اخلاقی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ضروری قرار دیاہے۔ معاہدہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی ، معاشی سطح پر ہو یا امن وامان کے قیام کا ایک مرتبہ معاہدہ کرنے کے بعد اس کی پابندی ہر صورت میں لازمی ہے۔ معاہدہ دو فریقوں کے درمیان طے پانے والا ایسا پیمان ہوتا ہے جس کی شرائط کی ہر ایک فریق کو پابندی کرنا ہوتی ہے۔ تاہم وضعی قانون کے مقابلہ میں اسلامی قانون کی اصطلاح میں معاہدہ کا مفہوم زیادہ وسیع ہے۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر معاہدہ دو ارادوں کے اتفاق کا نام ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کی شکل یا اس کے نفاذ کا طریقہ کیاہے۔ چنانچہ عہد دو اشخاص یا دو فریقوں کا مشترکہ مفادات کے لیے کسی چیز یا بات پر متفق ہو جانے کا نام ہے ۔اس کے ایفاء کو دونوں فریق کسی طرح مزید مستحکم اور باوثوق بنائیں تو اسے میثاق کہا جاتا ہے اور اگر اسے خصوصاً حلف اور قسم کے ساتھ مستحکم کیا جائے تو اسے حلف کہا جائے گا۔[1] کسی سے جو وعدہ یا کسی قسم کا قول و قرار کر لیا جائے اسے پورا کرنا ایک راستباز انسان کا شعار ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت یہ ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ[2] ”بے شک خدا وعدہ کے خلاف نہیں کرتا“ عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف ’قول و قرار‘ کے سمجھتے ہیں لیکن اسلام کی نظر میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے۔ وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر

مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے۔ اس طرح یہ مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی، قانونی، شرعی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل کا مجموعہ ہے اس لیے قرآن پاک میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے آیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اصلی نیکی کے اوصاف کے تذکرہ میں ہے: { وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا } [3] "اور اپنے قرار کو جب قول دیں تو پورا کرنے والے" بعض آیات میں اسے کامل الایمان مسلمانوں کے مخصوص اوصاف میں شمار کیا گیا ہے: { وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ } [4] "اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں" اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہمیں نہ صرف ایک انسان سے عہد پورا کرنے کا حکم دیتی ہیں بلکہ اگر دشمنوں سے عہد کر لیا جائے تو وہ اس کے ایفا کا بھی حکم ملتا ہے کیونکہ عہد وپیمان افراد کے درمیان بھی ہوتا ہے اور جماعتوں کے درمیان بھی فرد اور ریاست کے درمیان بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان امن وامان اور صلح کے معاہدے ہو سکتے ہیں یہ معاہدے جن شرائط کے ساتھ ہوں ان کی پابندی ضروری ہے۔

اسلامی نظریہ کے مطابق اگر دیکھا جائے تو معاہدے اس لیے نہیں ہوتے کہ موقع پاتے ہی ان کی خلاف ورزی کی جانے لگے بلکہ اس سلسلے میں واضح طور پر ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے: { وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً } [5] "عہد پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی" قرآن پاک میں قریب قریب اسی عہد کے معنی میں ایک اور لفظ عقد کا استعمال کیا گیا ہے: { يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ } [6] "اے ایمان والو، عہدوں کو پورا کرو" عقد کے لغوی معنی گرہ اور گرہ لگانے کے ہیں اور اس سے مراد لین دین اور معاملات کی باہمی پابندیوں کی گرہ ہے۔ [7] شرعی اصطلاح میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم پر مشتمل ہے۔ اس میں تمام عقد مثلاً عقد یمین اور عقد نکاح، عقد بیع، عقد شرکت داخل ہیں۔ مختصر یہ کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دو انسانوں کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پا جائے اس کے مطابق دونوں پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ [8] لیکن عقد کا لفظ صرف معاملات پر مشتمل ہے اور عہد کا لفظ اس سے بہت زیادہ عام ہے یہاں تک کہ تعلقات کو اس ہمواری کے ساتھ قائم رکھنا بھی جس کی توقع ایک دوسرے سے ایک دو دفعہ ملنے سے ہو جاتی ہے، حسن عہد میں داخل ہے۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب مقرر کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے 'حسن العهد من الايمان' اور اس باب کے تحت اسی حدیث کا ذکر ہے۔

اسلام معاہدات کی توثیق کے لیے وسعت نظر رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک اگر برسرجنگ قوم بھی صلح کرنا چاہے تو جب تک مسلمانوں کو اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو یا کوئی کھلی دھوکے بازی نظر نہ آرہی ہو تو اس وقت صلح قبول کر لی جائے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: { فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً } [9] "اگر وہ تم سے جنگ سے باز آجائیں اور امن وصلح کی پیشکش کریں تو اب تمہارے لیے ان کے خلاف جنگ کا کوئی راستہ اللہ نے نہیں رکھا" یعنی پھر ان سے جنگ نہیں کرنی اسی طرح سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: { وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ } [10] "اور اگر (کفار) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں" یہاں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر کفار جنگ کی بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمہیں بھی چاہیے کہ خونریزی سے ہاتھ اٹھا لو اور صلح کر لو۔ [11] البتہ اس سلسلے میں کچھ اصولی باتوں کو مد نظر رکھنا ہو گا:

1۔ اس معاہدے کا اثر اسلام کی بنیادی تعلیم پر نہ پڑتا ہو یعنی اسلام کسی ایسے معاہدے کو قبول نہیں کرتا جس سے کسی طرح بھی اسلام

کی بے حرمتی کا پہلو نکلتا ہو جیسا کہ احکام الٰہی کے خلاف فیصلوں کو جائز قرار دے دینا۔

2۔ اسلامی حکومت اپنے معاہدات پر آخری حد تک قائم رہنے کی کوشش کرے گی۔

3۔ معاہدے کے لیے دونوں فریق راضی ہوں اس میں جبر کا پہلو نہ پایا جاتا ہو۔ جیسا کہ جنگ عظیم دوم (1939۔1942) کے بعد بڑی طاقتوں نے جرمنی اور جاپان کے ساتھ کیا۔

4۔ معاہدہ واضح اور کھلے الفاظ میں ہو اور اس کے اندر فریقین کے حقوق و فرائض کو صاف صاف متعین کر دیئے گئے ہوں۔ اس میں کسی قسم کا سیاسی حربہ نہ استعمال کیا گیا ہو جس سے الفاظ کے مفہوم کچھ اور نکلتے ہوں۔

بین الاقوامی معاہدات کی حیثیت

جب دو یا زیادہ ملکوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک حصّہ جنگ لڑنے والے ملکوں کا ہوتا ہے جس میں جنگ میں شریک ممالک ہوتے ہیں اور دوسرا حصّہ نہ لڑنے والے ملکوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں غیر جانبدار کہا جاتا ہے۔ اس میں عالمی برادری کے دیگر ملک شامل ہوتے ہیں اور جنگ کے فریقین کے ساتھ ان کے پرامن تعلقات قائم رہتے ہیں۔[12] اسلامی ملک کی حدود سے باہر بین الاقوامی سطح پر اسلامی نظام دوسرے ایسے ملکوں کو کھلے دل سے تسلیم کرتا ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے ماننے والے ہوں جن کا نظام قانون اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا تصّور پر مبنی ہو ان کے ساتھ اسلامی ملک کا تعلق ایک پرامن اور مسلسل بقائے باہمی کا ہو۔

قرآن پاک نے ان ملکوں سے تعلقات قائم رکھنے کے لیے ایک اصولی ہدایت مسلمانوں کو دی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جن قوموں سے تعلقات قائم کیے جائیں وہ ملک ہوں، قبائل ہوں یا آئندہ آنے والے اس سے مختلف انداز کے ملک ہوں ان سب کے درمیان تعلقات کو اس اصول کی بناپر قائم کیا جائے گا جو سورۃ الممتحنہ میں بیان کیا گیا ہے۔ {لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ }[13] ”اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں انہی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا تمہارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی ظالم ہیں “ اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ دوستانہ بین الاقوامی اور بین الملکی تعلقات کے نقطہ نظر سے غیر مسلموں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (1) معاندین (2) غیر معاندین. یہاں معاندین سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکا ہو، انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھر بار سے نکالا ہو، مسلمانوں پر جنگیں مسّلط کی ہوں اور ان کے جان و مال کو تباہ و برباد کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے کھلے دشمنوں سے دوستی کی بات کرنا منافقت ہو گی۔

دوسرا گروہ غیر معاندین کا ہے، ان سے مراد غیر مسلموں کا وہ گروہ ہے جنہوں نے مسلمانوں کو گھروں سے نہیں نکالا، نہ مسلمانوں کو

پریشان کیا، نہ ان کے دینی معاملات میں کوئی رکاوٹ ڈالی اور نہ مسلمانوں سے کوئی دشمنی کی۔ اس گروہ کے بارے میں قرآن پاک کی واضح ہدایات یہ ہیں: { لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ }[14] "جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے مقابلہ نہیں کیا، تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ تم کو اس سے نہیں روکتا کہ تم ان سے برِّ(نیکی) کا معاملہ رکھو، یعنی نیکی کرو اور ان سے عدل و انصاف کا معاملہ کرو"

بِرّ قرآن پاک کی ایک جامع اور معروف اصطلاح ہے جس میں معاشرتی بھلائیوں کا ایسا جامع نقشہ دیا گیا ہے جس میں رفاہی معاشرہ کے سارے پہلو شامل ہیں۔ سورۃ البقرہ میں بِرّ کے بہت سے پہلو ذکر کیے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا: { لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ }[15] "نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن نیکی تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں اور نبیوں پر اور اس (اللہ) کی محبت میں اپنا مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرنے میں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت" اس آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی سطح پر انسانوں کی فلاح و بہبود کے تمام اقدامات بِرّ میں شامل ہیں انسانوں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے سارے اعمال اور انسانوں کی عمومی خدمت انجام دینا یہ سب باتیں سورۃ البقرہ کی اس آیت کی روشنی میں بِرّ کی مختلف صورتیں ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں مسلمانوں کے جن لوگوں کے ساتھ تعلقات رہے اور جن اقوام سے لین دین ہوا ان میں سے کئی اقوام اور ممالک ایسے تھے جن سے اس نوعیت کے تعلقات قائم ہوئے تاہم اگر بالفرض کوئی ایسی قوم نہ بھی ہو اور مسلمانوں کے تعلقات اس ضمن میں دیگر اقوام سے محاربہ ہی کے رہے ہوں تو وہاں بھی یہ اصول صاف طور پر کارفرما دیکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اور مکہ کے قریشیوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ دوسری بہت سی اقوام سے شروع میں یہی کوشش کی گئی کہ تعلقات کی نوعیت عدم محاربہ اور عدم مداخلت پر مبنی ہو، اسلامی دعوت کی نشرواشاعت میں رکاوٹ نہ ہو اور وہ کسی جنگی معاملہ میں مسلمانوں کے کسی کھلے دشمن کا ساتھ نہ دیں۔ قرب وجوار کے درجنوں قبائل سے (جو اس دور کے لحاظ سے شہری ریاستوں کے حامل تھے) انہی خطوط پر معاہدے کیے گئے۔ بین الاقوامی معاہدات کی دیگر ہدایات درج ذیل ہیں:

1۔ اگر ایک قوم سے ریاست کا معاہدہ امن ہو اور دوسر قوم کے ساتھ وہ حالت حرب میں ہو تو ایسی صورت میں محارب قوم کے آدمی یا ان کا گروہ کسی ایسی ریاست میں چلے جائیں، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہو تو وہ محفوظ رہیں گے اور عملاً اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو اسلامی ریاست کے ساتھ طے ہوا ہو۔ اس لیے ان کے خلاف کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ اسلامی احکام جہاد میں جب جہاد جاری ہو تو دشمن سے مقابلے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے بعد ارشاد ہوا: {اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ}[16] "البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس چلے جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہے (تو ان سے بھی جنگ نہ ہوگی)" یعنی اگر وہ کسی ایسے قبیلہ کی پناہ

اختیار کرلیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو تو پھر انہیں کچھ نہ کہو حضورﷺ نے مظلوم کی حمایت کے لیے دور جاہلیت میں کیے گئے معاہدے "حلف الفضول" کو اسلامی دور میں بھی برقرار رکھا اور فرمایا: [ان الاسلام لا یزیدہ الا شدۃ][17] یعنی اسلام اسے مزید مستحکم ہی بناتا ہے۔ تاہم یہ تعاون مسلمانوں کی طرف سے معاہدات کی خلاف ورزی نہ کرنے کے ساتھ مشروط رہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ} [18] "ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو"

2۔ جب ایک اسلامی ریاست کا کسی دوسری ریاست سے معاہدہ ہو اور اس معاہدہ میں تیسری ریاست شریک ہونا چاہے تو وہ شریک ہو سکتی ہے اسے اپنی مرضی کا فریق چننے کا اختیار ہو گا اور وہ ریاست ان شرائط کی پابند ہو گی جس کا پابند اس کا حلیف ہے جیسا کہ معاہدہ صلح حدیبیہ میں قبیلہ خزاعہ حضرت محمدﷺ کے حلیف بنے اور بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا[19]۔ موجودہ دور میں چھوٹے ملک عموماً بڑے ملکوں سے اسی طرح معاہدے کرتے رہتے ہیں جیسے نیٹو (نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن)، سینٹو (سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن) اور سیٹو (ساؤتھ ایسٹ ایشیا ٹریٹی آرگنائزیشن) معاہدے ہیں۔[20]

3۔ اگر کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہو اور وہ جنگ میں اسلامی ریاست اور محارب قوم میں سے کسی کا ساتھ نہ دے تو اسلامی ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی لہٰذا اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا} [21] "یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے دل اس سے تکلیف محسوس کر رہے ہیں کہ تم سے جنگ کریں یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے اس لیے اگر وہ تم سے الگ رہ رہے ہیں اور لڑ نہیں رہے اور تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر حملہ کی کوئی صورت نہیں رکھی ہے". یعنی امت مسلمہ سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر وہ جنگ میں تمہارا اور تمہارے دشمن دونوں کا ساتھ نہیں دیتے تو ان سے معاہدہ کر لو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بھی تمہارے مقابلے پر آ سکتے تھے لیکن اب جبکہ وہ غیر جانبدار رہ رہے ہیں تو اس بات کو اچھا سمجھتے ہوئے ان کا خیر مقدم کرو۔

نقض عہد کی ممانعت

ایک دفعہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑنا بہت بڑی برائی ہے اور یہ حقیقت میں جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ کسی قوم اور اس کے افراد کی عزت کا کافی مدار اس پر بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے کتنے سچے ہیں۔ جب کوئی فرد وعدہ کر لیتا ہے تو اپنے اوپر ایک ذمہ داری لے لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا} [22] "اپنا عہد پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہو گی" ایک دفعہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: {وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ} [23] "اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو جب کہ تم نے اللہ کو اپنے اوپر نگران بنایا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو" یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ جس بات کا حکم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ زبانی وعدے اور معاہدے

اور تحریری دستاویزات کی پابندی کی جائے اور اپنی قسموں کی حفاظت کی جائے۔ یہاں قسموں سے مراد یہ ہے کہ تم وعدوں اور معاہدوں میں جو قسمیں کھا کر یا تاکیدی الفاظ سے اسے پختہ کرتے ہو تو اسے دھوکہ وفریب کا ذریعہ نہ بناؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اس حدیث کو اپنے ہر خطبہ میں دہراتے تھے [لا دین لمن لا عهد له][24]"جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں"، صلح حدیبیہ (6ھ) کا معاہدہ ہو جانے کے بعد کچھ صحابہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی کہ حضور ان کی نیت درست نہیں ہے یہ آپ سے غداری کریں گے۔ تو آپ ﷺ نے بڑے پر اعتماد لہجے میں فرمایا، [و قولهم و نستعين بالله][25]"اسے پورا کرو ہم خدا سے اس سلسلہ میں مدد طلب کرتے رہیں گے"، یعنی اگر یہ بدعہدی کریں گے تو اللہ ان کے خلاف ہماری مدد کرے گا۔ اسی طرح غزوہ بدر (2ھ) کے موقع پر جب دشمن کی ایک بڑی تعداد مدمقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو سب مسلمانوں کو خوشی ہوتی، اسی دوران حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے تو راستے میں کفار نے انہیں روک لیا کہ محمد کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا پھر آپ ﷺ کے پاس آکر سارا واقعہ بیان کیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ۔ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہمیں تو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔[26]

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جب فریقین کے درمیان عہد وپیمان ہوتا ہے تو جب ایک فریق دوسرے فریق کو کسی وجہ سے کمزور دیکھتا ہے تو کسی مادی فائدہ کے لیے اپنے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیتا ہے مگر اسلام کے نزدیک عہد شکنی نفاق کی علامت ہے۔ حضور ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بیان کی ہے: [اذا عاهد غدر][27]"جب عہد وپیمان کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے" اسلام میں عہد شکنی جرم عظیم سمجھی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: [لكل غادر لواء يوم القيامة يرىٰ يوم القيامة يعرف به][28] فوج میں چونکہ سپہ سالار کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا ہے اس لیے وہ سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی طرح حدیث سے مراد یہی ہے کہ قیامت کے دن جب سب انسان ایک جگہ جمع ہوں گے تو عہد شکن کے نام کا جھنڈا لگا دیا جائے گا تاکہ سب لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ چل جائے۔ کیونکہ عرب میں عام رواج تھا کہ اگر کوئی فرد عہد شکنی کرتا تو اس کے اعلان عام کے لیے مجمع والی جگہ پر اس کے نام کا جھنڈا نصب کر دیا جاتا۔ ان احادیث میں عہد شکنی کے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کا تعلق عام عہد کے ساتھ ساتھ سیاسی سطح پر کیے جانے والے عہد وپیمان سے ہے۔ اس لیے کہ ریاست کی طرف سے جب عہد شکنی ہوتی ہے تو اس کا نقصان مجموعی طور پر زیادہ ہوتا ہے ان آیات واحادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی ملک کا حاکم اپنی عوام سے چاہے وہ غیر مسلم اور ذمی ہی کیوں نہ ہو جو عہد کرے اسے پورا کرے اور ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق عہد کی پاسداری کے سلسلہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ واقعہ صلح حدیبیہ کی مثال سامنے ہے کہ معاہدہ ہونے کے بعد جب حضرت ابو جندلؓ حضور ﷺ کے پاس آئے تو چونکہ حضور ﷺ معاہدے کی اس شق کو منظور فرما چکے تھے جس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسے دوبارہ مکہ لوٹایا جائے گا لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ واپس چلا جائے تو اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس لیے اس پر آپ نے حضرت ابو جندلؓ سے فرمایا: [انا قد اعطينا هؤلاء القوم ما قد علمت ولا يصلح لنا في ديننا الغدر و ان الله جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجاً و مخرجا فا مطلق الى قومك][29]"ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو

عہد کیا ہے اسے تم جانتے ہو ہمارے دین میں عہد شکنی درست نہیں ہے اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ مکہ میں جو کمزور رہ گئے ہیں ان کے لیے کوئی صورت نکالے گا اس لیے تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ" لہٰذا اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ ہر عہد پورا کیا جائے اور ایک فریق نے جو دوسرے پر اعتماد کیا ہے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

ریاستی عہد وپیمان کی اسلام میں جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسلم ریاست میں اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کے کفارہ کا حکم یہ ہے کہ قاتل ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے۔ لیکن اگر مقتول کا تعلق محارب قوم سے ہے تو قاتل صرف غلام آزاد کرے گا، دیت ادا نہیں کرے گا، جبکہ اس کے بر خلاف مقتول معاہد قوم کا فرد ہو تو غلام بھی آزاد کیا جائے گا اور اس کے ورثاء کو دیت بھی ادا کی جائے گی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے: {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ}[30]
"اور کسی مسلمان کو یہ (حق) نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کو خون کرے سوائے اس کے کہ غلطی سے اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں (ورثاء) کے سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا، اور اگر اس قوم سے ہو کہ تمہارے ان کے مابین معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا سپرد کیا جائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا (یعنی اگر مقتول ذمی ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو ایک مسلمان کا)"
اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ملک غیر مسلموں کے تحفظ اور سلامتی کا ذمہ دار ہے غیر مسلموں کی جان کی حرمت کی وضاحت آپ ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: [دیة الیهودی و النصرانی وکل ذمی مثل دیة المسلم][31]"یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے" فقہاء نے دشمن کے وفود کے ساتھ بد عہدی اور غداری کو ناجائز قرار دیا ہے چاہے دشمن اپنے ہاں موجود مسلمان یر غمالیوں کو قتل بھی کر ڈالے پھر بھی ان کے وفود کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ بعض صحابہ کا قول ہے کہ غداری اور عہد شکنی کے بغیر اگر عہد کو پورا کیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ بد عہدی اور غداری کے بدلے بد عہدی اور غداری کی جائے۔[32] حضور ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ادا لامانة الی من أئتمنك و لا تخن من خانك[33]"جس نے تیرے سپرد امانت کی، اس کی امانت ادا کر اور جس نے تجھ سے خیانت کی اس سے خیانت نہ کر" طبری نے آیت {لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ}[34] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں انصار مدینہ میں رواج تھا کہ لاولد لوگ منّت مانتے تھے کہ ان کی اولاد زندہ رہی تو اسے یہودی بنائیں گے۔ بنی نضیر کے اخراج کے وقت ایسے متعدد نو عمر یہودی النسل بچے یہودیوں کے پاس تھے انہیں جب وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تو انصار نے انہیں روکنا اور جبراً مسلمان بنانا چاہا لیکن حضور ﷺ نے اسے خلاف عہد سمجھ کر اجازت نہ دی[35]

معاہدہ شکنی کی صورت میں حکمت عملی

اسلامی تعلیمات کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دشمن کی طرف سے صلح توڑنے یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں بھی اس کے ساتھ غداری سے گریز کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورت حال پیش آنے

پر دشمن کو معاہدہ ٹوٹنے کا پیغام بھیجا جائے اور اس کے ملک کے اندر اس کا اعلان کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اسلام میں دھوکہ اور خیانت کسی صورت جائز نہیں اگرچہ دشمن نے مسلمانوں سے خیانت اور دھوکہ دہی کی ہو۔ مسلمانوں کا مثالی اصول یہ ہے کہ غداری کے بغیر عہد پورا کرنا غداری کے بدلہ میں غداری کرنے سے بہتر ہے۔[36] اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ ہر عہد پورا کیا جائے اور ایک فریق نے جو دوسرے پر اعتماد کیا ہے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے۔ لیکن اگر ایک معاہد فریق معاہدے میں مخلص نہ ہو اور اس کی طرف سے خلاف ورزی کے آثار نظر آئیں اور اس کی خفیہ کارگزاریوں اور سازشوں کا کسی طرح سے پتہ چل جائے تو ریاست کو حق ہو گا کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دے لیکن اس کا واضح اعلان کرنا ضروری ہو گا۔ اعلان کیے بغیر اس کے خلاف کسی جنگی کاروائی کی اجازت نہیں ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ}[37] "اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو تم (ان سے کیے ہوئے عہد کو) ان کی طرف پھینک دو کہ معاہدے کے ختم ہونے کا تمہیں اور انہیں برابر علم ہو جائے اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

درج بالا آیت میں { فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ } کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ کرنے کے بعد اس سے نقض عہد کا ڈر ہو تو صرف اس ڈر کی بنیاد پر اس پر حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ اسے باخبر نہ کر دیا جائے کہ اب معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ یعنی فریقین پر یہ واضح ہو جائے کہ اب معاہدہ نہیں رہا۔ طبری نے یہ وضاحت کی ہے کہ جب معاہد قوم سے ایسے آثار نمایاں ہوں جن سے ان کی غداری اور خیانت کا پتہ چلتا ہو تو پہلے ان کا معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو پھر ان کے خلاف کوئی کاروائی کرو۔ لیکن اگر انہوں نے کھلم کھلا دشمنی کر دی تو پھر کسی تکلف کی ضرورت نہیں تم مناسب قدم اٹھا سکتے ہو[38]۔ جیسا کہ سورہ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ}[39] "اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسموں (یعنی معاہدوں) کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو ائمہ کفر سے آپ جنگ کیجیے کیونکہ اب ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا"

حضور ﷺ نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ کوئی فرد اپنے انفرادی طرز عمل سے بھی ایسا تاثر پیدا کرے کہ جس سے دشمن سمجھے کہ اس نے معاہدہ کا پاس نہیں رکھا۔ ابو رافعؓ ایک صحابی تھے، جنگ بدر کے موقع پر کفار کی طرف سے سفیر ہو کر آئے یہاں آکر مسلم معاشرہ کو دیکھا تو اسلام قبول کرنا چاہا اور کہا کہ اب وہ واپس نہیں جانا چاہتے، حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ تم پہلے اپنا فرض پورا کرو، واپس جاؤ اور اپنا فرض منصبی مکمل کرو پھر اگر دل چاہے تو چلے آؤ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور واپس آکر اسلام قبول کیا[40]۔ [أنی لا احبس بالعهد ولا أحبس البرود، الكن ارجع اليهم ، فان كان فى قلبك الذى فيه الان فارجع][41] "میں معاہدہ نہیں توڑتا، نہ ہی فرستادہ کو قیدی بناتا ہوں، لہٰذا تم قریش کے پاس واپس چلے جاؤ اگر تمہارے دل میں موجود ایمان قائم رہا تو پھر واپس چلے آنا" مزید تفسیر نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: [من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلن عهده حتىٰ يمضى آمده اوانبذ اليهم سواء][42] "جس قوم کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ ہو تو وہ عقد معاہدہ کو نہ توڑے یہاں تک کہ اس کی مدت پوری ہو جائے یا ان کا معاہدہ انہیں لوٹا دیا جائے اس طرح اب دونوں فریق برابر ہو جائیں"، یعنی اطلاع دے دی جائے کہ صلح کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے اب دوسرا فریق بھی اس میں برابر ہو گیا یعنی وہ بھی اب معاہدہ کی پابندی سے آزاد ہو گیا۔

ان آیات اور احادیث کا پس منظر یہود و قریش کی وہ ریشہ دوانیاں ہیں جو وہ مسلمانوں کے خلاف کرتے رہے تھے تاکہ آئندہ اگر ایسی کوئی صورتحال پیش آجائے تو ان سے آسانی سے نمٹا جاسکے۔ مدینہ میں یہودیوں کے جو قبیلے آباد تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور اور بڑے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ ان تمام قبیلوں سے آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان خیر خواہی کا تعلق ہو گا، ان میں سے کوئی بھی اپنے حلیف کو نقصان نہیں پہنچائے گا نیز وہ دشمن کا اکٹھے مقابلہ کریں گے لیکن یہود نے اس معاہدے کی کبھی پابندی نہیں کی لہٰذا جب ان کی بار بار بد عہدی سامنے آتی گئی تو انہیں مدینہ سے باہر کر دیا گیا۔[43] سب سے آخر میں بنو قریظہ کو مدینہ بدر کیا گیا اس لیے کہ غزوہ بدر (2ھ) کے موقع پر انہوں نے معاہدہ کی بد عہدی کر کے قریش کی خفیہ مدد کی پھر غزوہ خندق (5ھ) میں بھی مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی چنانچہ جب دو دفعہ انہوں نے عہد شکنی کی تو ان سے جنگ کا حکم دیا گیا۔ { الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ }[44] "جن سے تم نے معاہدہ کیا اور وہ اپنا معاہدہ ہر دفعہ توڑ دیتے ہیں اور (اس کے نتائج سے) ڈرتے نہیں ہیں پس اگر تم ان کو میدان جنگ میں پالو تو ان کو ایسی سزا دو کہ ان کے علاوہ جو اس ذہنیت کے لوگ ہیں وہ بھی محتاط ہو جائیں شاید یہ نصیحت حاصل کریں " یہود کی ان سازشوں کے بعد معاہدہ قائم رکھنے کا جواز ختم ہو گیا تھا اور یہود کے روّیے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلم ریاست کا ان کے خلاف فوجی قدم اٹھانا درست ہے۔

اس صورت میں معاہدہ برقرار نہ رہنے کا اعلان ہی کافی ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ جنگ کی دھمکی بھی دی جائے۔ الماوردی کے مطابق دشمنوں کے معاہدہ امن کے پورا ہونے تک امن وامان سے رہنے کا حق حاصل ہے اور جب تک وہ معاہدہ پر قائم رہیں، ان سے جہاد نہ کیا جائے لیکن اگر وہ معاہدہ توڑ ڈالیں تو پھر وہ برسر جنگ دشمن بن جائیں گے اور تنبیہ کے بغیر بھی ان سے جہاد کیا جائے گا۔ چنانچہ جب قریش نے حدیبیہ (6ھ) کا معاہدہ توڑ ڈالا تو حضور ﷺ ان سے جنگ لڑنے کے لیے گئے اور مکہ فتح کیا۔[45]

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ معاہدہ کے توڑنے میں فریب اور سیاسی چال بازی سے کام نہیں لیا جائے گا بلکہ واضح طور پر دوسرے فریق کو اس کی اطلاع دے دی جائے گی کہ اب صلح کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، تم بھی اپنی کاروائی میں آزاد ہو اور ہم بھی { وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا }[46] "اپنی قسموں کو فتنہ وفساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس طرح کہ ایک قوم کے پیر جمنے کے بعد اکھڑ جائیں " مشرکین مکہ اور دوسرے عرب قبائل سے مسلمانوں کا جو معاہدہ تھا ان میں جن جن فریقوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ان سب کو معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع دے دی گئی اور انہیں چار مہینے کا موقع مزید غور وفکر کے لیے دیا البتہ جو لوگ معاہدے کا پاس کرتے رہے ان کو اس سے مستثنیٰ رکھا۔ سورۃ توبہ کی ابتدائی آیتوں میں اسی اعلان کا ذکر ہے: { بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ•فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ۔۔۔ }[47] "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے معاہدے سے دستبرداری کی جا رہی ہے تو اب تم چار مہینے اس سرزمین پر چل پھر لو" یہ اعلان برأت ان لوگوں کے لیے تھا جس سے غیر موٴقت معاہدہ تھا یا چار ماہ سے کم کا تھا یا جن سے چار ماہ سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی پاسداری کا اہتمام نہیں تھا۔ ان سب کو چار مہینے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں یہاں رہنے کی اجازت ہو گی، بصورت دیگر وہ چار ماہ کے بعد جزیرہ عرب سے

نکل جائیں، اگر وہ دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے تاکہ جزیرہ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے پاک ہو جائے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے متعلق حکم ہوا کہ اسے مقررہ وقت تک نبھاؤ[48]۔ {فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ}[49] پھر آگے ان مشرک قبائل کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا جنہوں نے معاہدے میں کوتاہی نہیں برتی {اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ}[50]"۔مگر وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تم سے معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے اس میں تمہارے ساتھ کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی دشمن کی مدد کی تو ان کا عہد مقررہ مدت تک پورا کرو"[51]یعنی ان مشرکین سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا اسی مدت تک انہیں رہنے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ انہوں نے معاہدہ کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

معاہدات کی پاسداری

جو لوگ معاہدے میں کوتاہی نہیں کرتے ان سے عہد پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ {اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ}[52]"مگر وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تم سے معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے اس میں تمہارے ساتھ کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی دشمن کی مدد کی تو ان کا عہد مقررہ مدت تک پورا کرو" اس آیت نے سابقہ حکم (سورہ توبہ کی پہلی آیات) کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاہدوں کو منسوخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاہدوں کی پہلے خود خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں اور نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے[53]۔اس کے علاوہ اگر کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ روا رکھا جائے تو اسلامی ریاست امن ہی کو ترجیح دے گی۔ جیسا کہ حبشہ اور ترک کے معاملہ میں حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی: [اتركوا الحبشه ما ودعوكم واتركوا الترك ما تركوكم][54] "حبشہ کو چھوڑ دیں جب تک کہ وہ تم سے تعرض نہ کریں اسی طرح ترک کو چھوڑ دو جب تک کہ انہوں نے تمہیں چھوڑ رکھا ہے" اس حدیث سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ جب تک یہ ریاستیں اسلامی ریاست کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں اور غیر جانب دار ہو کر رہیں اس وقت تک ان سے لڑائی کا سوچا بھی نہ جائے۔ اس طرح کی ریاستوں سے صلح کے معاہدے بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر کبھی وہ اسلامی ریاست کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں تو اس وقت اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے حملہ آوروں کے خلاف سخت جوابی کاروائی کی جائے گی۔

غیر جانبداری اسلامی قانون کی نظر میں

سیاسی سطح پر غیر جانبداری کی اصطلاح بہت عام ہے غیر جانبداری کا اصول قانونی نظام کے طور پر حال ہی میں متعارف ہوا ہے، البتہ ایک مادی اور سیاسی حقیقت کے طور پر قدیم دور سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ جب دو یا زیادہ ملکوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں

دنیادو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایک حصہ جنگ لڑنے والے ملکوں کا ہوتا ہے جس میں جنگ میں شریک ممالک ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ نہ لڑنے والے ملکوں کا ہوتا ہے جنہیں غیر جانبدار کہا جاتا ہے، اس میں عالمی برادری کے دیگر ملک شامل ہوتے ہیں۔

غیر جانبداری کی اسلامی اصطلاح کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ جدید عربی میں غیر جانبداری(neutrality) کے لیے "حیادۃ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جب کہ قبل از اسلام اور صدر اسلام میں عربوں نے اس کے لیے اعتزال کی اصطلاح استعمال کی تھی ۔جبکہ اب یہ اصطلاح معتزلہ فرقہ کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو سنی اور شیعہ مکاتب فکر سے الگ کر لیا تھا۔ معتزلہ نے اس اصطلاح کو اپنی غیر جانبداری ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا تھا کہ وہ خوارج اور سنیوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں اور ان کے معاملات میں غیر جانبدار(neutral) ہیں بعد میں یہ اصطلاح معتزلہ کے لیے نام کی شکل اختیار کر گئی۔[55] حضور ﷺ کے جد امجد قصّی کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی مقامی قبائل بھی اس کشمکش میں فریق بن گئے صرف دو قبائل غیر جانبدار رہے اور کسی کے ساتھی نہ بنے، ابن ہشام کے الفاظ میں: "لم یکونوا مع واحد من الفریقین"[56] "وہ کسی بھی فریق کے ساتھ نہ تھے"۔

اسلامی شریعت نے غیر جانبداری کے اصول کو ایک مادی حقیقت کے طور پر تسلیم کیا ہے، اس کی ایک مثال دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان ایک تیسرا دار یعنی دار العہد، کا اسلامی تصور ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں مسلم غیر مسلم کے مابین تعلقات کی بنیاد امن پر ہے، جنگ پر نہیں۔ اصل میں دنیا کی دو حصوں میں تقسیم بالکل ایک عارضی تقسیم تھی یہ شریعت کی طرف سے مقرر کی ہوئی تقسیم نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: {۔۔۔فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا۔اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ ۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا }[57] "اور اگر وہ منہ پھیریں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو، اور ان میں سے کسی کو اپنا ولی اور مددگار نہ بناؤ، مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق اس قوم سے ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ نہ وہ اپنے اندر لڑائی کی ہمت پا رہے ہوں اور نہ اپنی قوم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہوں اگر اللہ چاہتا تو اسے مسلط کر دیتا تو وہ تم سے لڑتے پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیش کش کریں تو اللہ تم لوگوں کو ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دے گا" ۔اس آیت میں غیر مسلموں کے قتل کو اس صورت میں جائز ٹھہرایا گیا ہے جب وہ مسلمانوں پر زیادتی کریں لیکن درج ذیل دو صورتوں میں انہیں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے: ایک یہ کہ وہ ان لوگوں سے جا ملیں جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہو اس طرح وہ بھی معاہدین کے حکم میں شامل ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ صلح کی غرض سے مسلمانوں کے سامنے آئے ہوں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی اور اپنی قوم کی جنگ سے تنگ آ گئے ہوں اور غیر جانبدار ہو کر رہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا زبردست سیاسی اور سفارتی کامیابی تھی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام "فتح مبین" { اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا }[58] ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں ہے۔(کیونکہ اس کے بعد آپ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے آسانی سے نمٹ لیا جو وہ دھوکہ دہی سے کام لیتے تھے) غیر جانبداری سے متعلق دور نبوی ﷺ میں کئی معاہدات ملتے ہیں :

ابن سعد[59] نے بنی ضمرہ کے ایک معاہدہ 2ھ کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اس میں اسی معاہدہ کی تحلیل ان الفاظ میں کی ہے: لا یغزوا بنی ضمرہ و لا یغزونه ولا یکثروا علیه جمعاً ولا یعینوا علیه عدو[60] "نہ حضور ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ یہ آپ سے اور یہ آپ کے خلاف جتھابندی میں کسی کے شریک ہوں گے اور آپ ﷺ کے خلاف کسی دشمن کو مدد بھی نہ دیں گے" اس میں صاف طور پر دوستی اور غیر جانبداری کا معاہدہ نظر آتا ہے اور اسلام لانے کا کوئی تصوّر بھی نہیں ہے۔ 2ھ میں رسول ﷺ نے بنو درحمہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس میں طے کیا تھا کہ بنو درحمہ مسلمانوں اور ان کے مخالفین کے معاملہ میں غیر جانبدار رہیں گے اور کسی کی مدد نہیں کریں گے۔[61] اسی طرح بنو غفار اور مسلمانوں کے درمیان 2ھ میں ایک معاہدہ ہوا تھا کہ مذہبی جنگ کی صورت میں وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ 5ھ میں رسول ﷺ نے بنو عدی کے ساتھ غیر جانبداری کا معاہدہ فرمایا۔[62] عرب میں مکہ مکرمہ کے بعد سب سے زیادہ بااثر شہر طائف تھا جہاں کے لوگوں کو پورے عرب میں ایک سیاسی اور اقتصادی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب شوال 8ھ میں طائف فتح ہوا اور وہاں کے سب سے بڑے اور عرب کے طاقتور قبیلے بنو ثقیف سے حضور ﷺ نے معاہدہ کیا تو اس میں صاف الفاظ میں لکھا گیا: وانه لا یومر علیهم الا بعضهم علی بعض ، علی بنی مالك امیرهم ، و علی الاحلاف امیرهم[63] "ان پر کسی اور کو امیر نہیں بنایا جائے گا، وہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر امیر ہوں گے چنانچہ ان کی شاخ بنو مالک کا امیر اپنا الگ اور ان کے دیگر حلیفوں کا امیر اپنا الگ ہو گا۔"

اہل مقنا[64] یہودی تھے۔ 9ھ میں جب ان سے معاہدہ ہوا تو اس کے الفاظ تھے: وان لیس علیکم امیر الامن انفسکم او من اهل رسول الله[65] "یہ کہ تم پر تمہارے اپنے لوگوں کے علاوہ کوئی اور فرد امیر نہیں ہو گا یا پھر رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے کسی فرد کو مقرر کر دیا جائے گا" فتح مکہ کے بعد قبیلہ باہلہ کے سردار مطرف بن الکاہن الباہلی سے معاہدہ ہوا تو اس میں کہا گیا: وان لهم الا یحشروا ولا یعشروا عاملهم من انفسهم[66] "ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لیے بلایا جائے گا، نہ ان پر کوئی ٹیکس لگایا جائے گا اور ان کا گورنر ان کے اپنے لوگوں میں سے ہو گا" آپ ﷺ نے جب عمان (جنوب مشرقی عرب) کے مشترکہ فرمانروا بھائیوں جیفر اور عبد کو 8ھ میں تبلیغی نامہ مبارک بدست ابوزید انصاری (جو حافظ قرآن تھے) اور عمرو بن العاص بھیجا تو اس میں صراحت سے یہ بھی تحریر فرمایا: وانکما ان اقررتما بالاسلام و لیتکما علی ملکما[67] "اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تم دونوں ہی کو تمہارے ملک یا حکومت پر قائم رکھوں گا" قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ثالثی اور تحکیم[68] کا ذکر آیا ہے اور گھریلو معاملات سے لے کر عدالتی امور تک تحکیم کی ہدایت کی گئی ہے۔ دور نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کی طرف سے تحکیم کے طریقہ کار کو اپنانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک تحکیم بنی قریظہ کے معاملہ میں سن 5ھ میں ہوئی تھی غزوہ احزاب کے بعد جب خود یہودیوں کی اپنی پسند سے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا گیا تھا۔[69]

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ کوئی فرد اپنے انفرادی طرز عمل سے بھی ایسا تاثر پیدا کرے کہ جس سے دشمن سمجھے کہ اس نے معاہدہ کا پاس نہیں رکھا۔ اس کے علاوہ اگر کسی ملک سے مسلم ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ روا رکھا جائے تو مسلم ریاست امن ہی کو ترجیح دے گی۔ عصر حاضر میں دنیا کے مختلف مقامات پر بدامنی اور فساد کی ایک وجہ مذہبی تشدد بھی رہا ہے۔ ایک نئی ملت کی تشکیل کے موقع پر رسول ﷺ نے عملاً یہ دکھایا کہ مذہب کے دائرہ میں

داخل ہونے کے بعد ان معاہدات کی حدود کی پابندی جتنی ضروری ہے، اتنا ہی اس دائرہ سے باہر کے لوگوں کے ساتھ رواداری اور پر امن معاشرت بھی ضروری ہے اور پر امن معاشرت کے لئے دیگر مذہبی گروہوں کے لئے مذہبی آزادی کا ہونا لازم ہے۔ ان بنیادوں پر رسول ﷺ نے ایک فلاحی معاشرہ قائم کر دکھایا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بنیادوں کو مسلم ممالک کے معاشروں میں عملاً نافذ کیا جائے تاکہ امت مسلمہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلم فلاحی معاشرہ کے ثمرات سے مستفید ہو سکے۔

نتائج تحقیق: زیر نظر مقالہ سے درج ذیل نتائج تحقیق اخذ کیے گئے۔

1۔ معاہدہ واضح اور کھلے الفاظ میں ہو اور اس کے اندر فریقین کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے گئے ہوں اس میں کسی قسم کا سیاسی حربہ نہ استعمال کیا گیا ہو جس سے الفاظ کے مفہوم کچھ اور نکلتے ہوں۔

2۔ اگر ایک قوم سے ریاست کا معاہدہ امن ہو اور دوسری قوم کے ساتھ وہ حالت حرب میں ہو تو ایسی صورت میں محارب قوم کے آدمی یا ان کا گروہ کسی ایسی ریاست میں چلے جائیں، جس سے مسلم ریاست کا معاہدہ ہو تو وہ محفوظ رہیں گے اور عملاً اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو مسلم ریاست کے ساتھ طے ہوا ہو اس لیے ان کے خلاف کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔

3۔ اگر کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہو اور وہ جنگ میں مسلم ریاست اور محارب قوم میں سے کسی کا ساتھ نہ دے تو مسلم ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی لہٰذا اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

4۔ اسلام میں نقض عہد بہت بڑی برائی ہے۔ اسلامی شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے صلح توڑنے یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں بھی اس کے ساتھ غداری سے گریز کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورت حال پیش آنے پر دشمن کو معاہدہ ٹوٹنے کا پیغام بھیجا جائے اور اس کے ملک کے اندر اس کا اعلان کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اسلام میں دھوکہ اور خیانت کسی صورت جائز نہیں اگرچہ دشمن نے مسلمانوں سے خیانت اور دھوکہ دہی کی ہو۔

5۔ اسلام نے جس طرح افراد کے مابین یا ریاست اور شہریوں کے مابین ہونے والے معاہدوں کو اہمیت دی ہے، اسی طرح بین الاقوامی معاہدوں کی بھی تاکید کی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ روا رکھا جائے تو مسلم ریاست امن ہی کو ترجیح دے گی۔

6۔ مسلم و غیر مسلم کے تعلقات جو عام طور پر حالت امن میں قائم ہوتے ہیں اور حالت امن میں ہی باقی رہتے ہیں۔ ایک عام اور معمول کی صورتحال میں غیر مسلموں سے تعلقات کی یہی نوعیت ہوتی ہے۔ لیکن اگر صورتحال معمول کے مطابق نہ رہے اور جنگ کی نوبت آجائے تو پھر تعلقات کی نوعیت اور ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں سے لین دین کے احکام بدل جاتے ہیں اور میل جول میں نئی جہتیں پیدا ہوتی ہیں اس لیے حالت جنگ کی تقسیم الگ ہے۔

7۔ جن لوگوں سے تعلق جنگ اور دشمنی کا ہے ان سے تعلقات کی نوعیت ظاہر ہے کہ دوستی اور معمول کی نہیں ہو سکتی وہ نوعیت بالکل اور ہو گی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ حالت جنگ کی وجہ سے ان لوگوں سے بھی تعلقات بدل جائیں گے جن کے

ساتھ با قاعدہ پر امن اور معمول کے تعلقات کی نوعیت پہلے سے طے ہے۔ بلکہ جو معاہدین ہیں وہ معاہدین ہی رہیں گے جو اہل صلح ہیں وہ اہل صلح ہی رہیں گے جو اہل ذمہ ہیں وہ اہل ذمہ ہی رہیں گے جو مستامن ہیں وہ مستامن ہی رہیں گے۔ البتہ جن لوگوں سے جنگ پیش آ گئی ان سے معاملات کی نوعیت، جنگ کی نوعیت صورتحال کے مطابق ہوگی۔

8۔ معاہدین اور مفتوحین میں بعض حقوق مشترک ہیں جو ان دونوں گروہوں کو حاصل ہیں۔ یہ وہ کم سے کم حقوق ہیں جو اسلامی ملک میں کسی غیر مسلم کو ملنے چاہئیں لیکن معاہدین جو ایک معاہدہ کے نتیجے میں اسلامی ملک کے شہری بن جائیں اس لیے ان کے حقوق و فرائض کا تعین اس معاہدہ کی روسے ہوگا جو ان کے اور اسلامی ملک کے مابین طے ہوا ہو۔ حضور ﷺ نے مختلف غیر مسلم قبائل اور ریاستوں سے معاہدے کیے اور مختلف اقسام کی شرائط ان سے طے کیں اس قسم کے معاہدے خلفائے راشدین کے دور میں بھی ہوئے اور جب تک وہ غیر مسلم وہاں آباد رہے ان کے بارے میں کیے جانے والے معاہدات کی پوری پابندی کی گئی اور ان تمام شرائط پر ہر طرح سے عمل درآمد کیا گیا جو پہلے روز طے ہوئیں تھیں۔

9۔ قرآن پاک میں ایک عمومی اور اصولی ہدایت مسلمانوں کو دی گئی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جن قوموں سے تعلقات قائم کیے جائیں وہ شہری ریاستیں ہوں، قبائل ہوں، آج کل کے دور کی بڑی بڑی ریاستیں ہوں یا آئندہ آنے والی اس سے مختلف انداز کی ریاستیں ہوں، ان سب کے مابین تعلقات کو اس اصول کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا جو سورۃ الممتحنہ میں بیان کیا گیا ہے۔

10۔ حلف الفضول اور عہد اسلام میں اس کی پسندیدگی کے اظہار سے یہ اصول بھی ملتا ہے کہ مشترک انسانی مقاصد کے لیے سب سے مل کر کام کیا جانا چاہیے حلف الفضول میں شریک لوگ غیر مسلم تھے لیکن عدل و انصاف اور مظلوم کی مدد کے اصول پر متفق ہوئے تھے ایسے ادارہ میں شمولیت کی خواہش اس کی واضح دلیل ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کسی ایسے ادارہ میں کام کرنا پسندیدہ ہے جو عدل وانصاف اور مظلوم کی مدد کے لیے قائم کیا گیا ہو، چاہے اس میں اکثریت غیر مسلموں ہی کی ہو۔ اسلام کے اس اصولی مؤقف کے حوالہ سے مسلم و غیر مسلم تعلقات میں ہم آہنگی اور مفاہمت کی بنیادی قدر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

11۔ اسلام نے غیر جانبداری کے اصول کو ایک مادی حقیقت کے طور پر تسلیم کیا ہے، اس کی ایک مثال دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان ایک تیسرا دار یعنی دار العہد، کا اسلامی تصور ہے اس لیے کہ اسلام میں مسلم غیر مسلم کے مابین تعلقات کی بنیاد امن پر ہے جنگ پر نہیں

12۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ثالثی اور تحکیم کا ذکر آیا ہے اور گھریلو معاملات سے لے کر عدالتی امور تک تحکیم کی ہدایت کی گئی ہے۔ دور نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کی طرف سے تحکیم کے طریقہ کار کو اپنانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

13۔ اگر کسی ملک سے مسلم ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ روا رکھا جائے تو مسلم ریاست امن ہی کو ترجیح دے گی۔

14۔ اسلام نہ صرف ایک انسان سے عہد پورا کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ اگر دشمنوں سے عہد کر لیا جائے تو وہ اس کے ایفا کا بھی حکم دیتا ہے۔ کیونکہ عہد و پیمان افراد کے درمیان بھی ہوتا ہے اور جماعتوں کے درمیان بھی، فرد اور ریاست کے درمیان بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔

مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کے درمیان امن وامان اور صلح کے معاہدے ہوسکتے ہیں یہ معاہدے جن شرائط کے ساتھ ہوں ان کی پابندی ضروری ہے۔

15۔ اسلام معاہدات کی توثیق کے لیے وسعت نظر رکھتا ہے۔اس کے نزدیک اگر بر سر جنگ قوم بھی صلح کرنا چاہے تو جب تک مسلمانوں کو اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو یا کوئی کھلی دھوکے بازی نظر نہ آ رہی ہو تو اس وقت صلح قبول کر لی جائے۔

حوالہ جات

---

[1] رشید رضا: تفسیر المنار، مصر، مکتبہ القاہرہ بمیدان الازہر، 1367ھ، 154:4

[2] آل عمران 9:3

[3] البقرہ 177:2

[4] المومنون 8:23

[5] بنی اسرائیل 34:17

[6] المائدہ 1:5

[7] شان الحق حقی: فرہنگ تلفظ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 2002، ص 707

[8] رازی فخر الدین: مفاتیح الغیب ، بیروت، لبنان، 1990، 585:5

[9] النساء 90:4

[10] الانفال 61:8

[11] الازہری، کرم شاہ پیر: ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1982، 16:2

[12] وہبہ زحیلی، ڈاکٹر: بین الاقوامی تعلقات (مترجم مولانا حکیم اللہ)، اسلام آباد، شریعۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، 2010، ص 254

[13] الممتحنۃ 60:8-9

[14] الممتحنۃ 8:60

[15] البقرہ 177:2

[16] النساء 90:4

[17] نسائی: احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن: السنن الکبریٰ ، بیروت، مکتبۃ العلمیہ، 90:4، رقم الحدیث: 16418

[18] الانفال 72:8

[19] ابن ہشام : محمد بن عبدالملک: السیرۃ النبویۃ، بیروت، دارالجیل، 374:3

[20] مجیب اللہ ندوی مولانا: اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، 1990، ص 117

[21] النساء 90:4

[22] بنی اسرائیل 34:17

[23] النحل16:91

[24] طبرانی ، احمد، سلیمان بن احمد : المعجم الأوسط ، بیروت، دارالکتب العلمیه، 1403ھ، ص76

[25] عفبقی، محمد صادق : الاسلام والعلاقات الدولیه، ص41

[26] مسلم : ابو الحسین بن الحجاج بن مسلم قشیری: الصحیح ، بیروت، دار احیاء التراث العربي ، کتاب الجهاد والسئیر، باب الوفا بالعهد

[27] بیهقی: احمد بن الحسین: السنن الکبریٰ مجلس دائرۃ المعارف النظامیه الهند ، (1344ھ) 1926، شعب الایمان ، 4:77، رقم الحدیث: 4356

[28] بخاری : محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح ، کراچی، قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ ، کتاب الجزیه والموادعة، باب من اثم من عاہد غدر، رقم الحدیث:3186

[29] ابن ہشام: السیرۃ النبویة4:337

[30] النساء4:92

[31] الصنعائی، عبدالرزاق: المصنف، باب الحدود و الدیات وغیرها ، رقم الحدیث:10225

[32] ابو یوسف : یعقوب بن ابراہیم بن حبیب: کتاب الخراج ، بیروت، دار المعرفة والنشر، 1399ھ، ص88

[33] ترمذی : ابو عیسیٰ ، محمد بن عیسیٰ: السنن ، وهو الجامع الصحیح ، بیروت ،دارالفکر للطباعة والنشر والتوزیع، 1980، کتاب البیوع ، باب ادا لأمانة الی من ائتمنك ، رقم الحدیث:1264

[34] البقرہ2:256

[35] طبری ، محمد بن جریر ، ابو جعفر: جامع البیان عن تاویل ای القرآن ،لبنان، بیروت ،دار المعرفة للطباعة والنشر، 1980، 3:10

[36] ابو یوسف :کتاب الخراج، ص88

[37] الانفال8:58

[38] قرطبی : محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربي ، 1989، تفسیر سورۃ الانفال8:58

[39] التوبہ9:12

[40] ابو داؤد : سجستانی، سلیمان بن اشعث: السنن، بیروت، دارالفکر ، 1994 ، باب فی الامام یستجن به فی العهود2:23

[41] ایضاً3:110، رقم الحدیث2377

[42] قاری علی بن سلطان محمد : مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ملتان، مکتبہ امدادیہ، س۔ن، 8:22

[43] شبلی نعمانی: سیرت النبی، لاہور، ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار، 1991، 1:239

[44] الانفال8:55

[45] الماوردی :ا بو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدای:الاحکام السلطانیه(مترجم مولانا سید محمد ابراہیم)، لاہور، ادارہ اسلامیات، 1988، ص48

[46] النحل16:94

[47] التوبہ9:1

[48] قرطبی : الجامع لاحکام القرآن، تفسیر سورہ توبہ9:1

[49] التوبہ 4:9

[50] التوبہ 4:9

[51] اس کو اس کی شرطوں کے ساتھ پورا کیا یہ لوگ بنی ضمرہ تھے جو کنانہ کا ایک قبیلہ تھا بنی ضمرہ اور رسول اللہ کے درمیان ہجرت سے پہلے تعلقات چلے آرہے تھے اور ان کی مدت کے باقی نو مہینے رہ رہے تھے۔(ابن جریر طبری : جامع البیان عن تاویل ای القرآن 55:6)

[52] التوبہ 4:9

[53] الازہری کرم شاہ، پیر: ضیاء القرآن 179:2

[54] ابو داؤد: السنن ، کتاب الملاحم، باب فی النہی عن تحیج الترك و الحبشه، رقم الحدیث:3748

[55] Dr Hameed Ullah: The Muslim Conduct of State, Haidarabad,Dakkan، p 282

[56] ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، 83:1

[57] النساء 89:4

[58] الفتح 1:48

[59] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد (168ھ-230ھ) معتبر موٴرخ اور حافظ حدیث تھا، واقدی کے ساتھ زیادہ رہنے کی وجہ سے کاتب واقدی کے لقب سے مشہور ہوا، مشہور کتاب الطبقات الکبریٰ ہے۔(ابن الندیم، محمد بن اسحاق: الفہرست ، لبنان، بیروت، دار المعرفة للطباعة والنشر، 1978، ص145)

[60] ابن سعد: ابو عبد اللہ محمد: الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار بیروت للطباعۃ والنشر، 1978، 54:2

[61] ایضاً 1:2

[62] ایضاً

[63] ابن ہشام: السیرۃ النبویہ 653:2

[64] مقنا ایلہ کے قریب تھا، یہاں ایلہ کے حاکم نے قبضہ کر لیا تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو ان کے کسی خونی جرم کی پاداش میں ملک بدر کر دیا تھا۔ تبوک میں یہ لوگ حضور ﷺ سے اوروں سے پہلے ملے اور معاہدہ اطاعت کیا اور درخواست کہ کہ انہیں ان کے ملک میں دوبارہ بسایا جائے۔ مقنا خلیج عقبہ کی یہ بندر گاہ یہودی اور عیسائی جھگڑوں کا ہدف بنی ہوئی تھی اور یہاں کے یہودیوں کو ایلہ والے عیسائی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے ایلہ سے معاہدہ ہوا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اہل مقنا کو زاد راہ و سامان دے کر ان کے وطن واپس کر دیا جائے (بلاذری: احمد بن یحییٰ ابو الحسن: فتوح البلدان، لبنان، بیروت، ادارہ کتب العلمیہ، 1983، ص60)

[65] بلاذری: فتوح البلدان، ص43

[66] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ 55:21

[67] حمید اللہ، ڈاکٹر: رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص342 بحوالہ الوثائق السیاسۃ فی العہد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدہ، کراچی، دار الاشاعت، 1980، دستاویز 76

[68] تحکیم سے مراد فقہاء کے الفاظ میں: هو تولية الخصمين حاكماً يحكم بينهما ، فيكون الحكم فيما بين الخصمين كالقاضی فی حق الناس كافة ، وفی حق غير هما كمنزلة المصلح یعنی تحکیم یہ ہے کہ مخالف فریقین کسی شخص کو اپنے لیے ایک ثالث بنالیں جو ان کے جھگڑے کا فیصلہ کر دے یہ ثالث فریقین جنگ کے لیے اس حیثیت کا مالک ہو گا جو حیثیت عام لوگوں کے درمیان قاضی کی ہوتی ہے، البتہ یہ فیصلہ فریقین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے حق میں صلح کرانے والے کا فیصلہ قرار پائے گا۔(وہبہ زحیلی، ڈاکٹر: بین الاقوامی تعلقات، ص105 بحوالہ الفتاویٰ الھندیۃ 397:3)

[69] ابن ہشام: السیرۃ النبویہ 256:2